

نظرات

نذرِ اقبال

ہماری شاعر مزاج قوم نے اقبال کو ایک شاعر کی حیثیت سے پہچانا، اس کی عظیم ترین تخلیق پاکستان کو شاعر کا کامیاب خواب سمجھا اور اس کے اسلامی ریاست کے نظریے کو ایک سیاسی نعرے سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اقبال نے ہیں پاکستان کی اسلامی ریاست کا محض تصور نہیں بخشا، بلکہ اس کی تشکیل و تعمیر و تکمیل کے لئے اس نے ایک واضح لائحہ عمل بھی متعین کر دیا تھا۔ اس کا ایک محلِ خاکہ بھی پیش کر دیا تھا۔

اسلامی ریاست کے قیام اور اس کے مسائل کے بارے میں اقبال کے افکار و میلانات اس کی نثری تحریروں میں واضح طور پر موجود ہیں، جن کے چند اقتباسات ہم بہ تقریبِ یومِ اقبال قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ فَذْکَرُواْ اِنْ نُّفَعْتِ الْبَکْرٰی

مسلم لیگ کے اجلاسِ منعقدہ الہ آباد ۱۹۳۳ء کے خطبہٴ صدارت میں پاکستان کے قیام کے فوائد بتاتے ہوئے انہوں نے فرمایا تھا کہ برصغیر میں ایک آزاد اسلامی ریاست کے قائم ہونے سے

”اسلام کو اس امر کا موقع ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر، جو عربی شہنشاہیت

کی وجہ سے اب تک اس پر قائم ہیں، اس جہود کو توڑ ڈالے جو اس کی تہذیب
تمدن، شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہیں۔ اس سے نہ صرف ان کے
صحیح معانی کی تجدید ہو سکے گی۔ بلکہ وہ زمانہ حال کی روح سے بھی قریب تر
ہو جائیں گے۔ (مضامین اقبال ص ۱۲)

اس سے کوئی ڈیرہ سال قبل، مدراس اور علی گڑھ میں ”تشکیل جدید الہیات اسلامیہ“ کے موضوع
پر خطبات دیتے ہوئے انہوں نے مندرجہ بالا تصور کی بالتفصیل تشریح کی تھی۔ وہ کوئٹہ جہود تھا جسے
توڑنے کے لئے اقبال نے پاکستان کی اسلامی ریاست کا نظریہ پیش کیا تھا؟ اسلام کی تجدید اور اسلامی
شریعت، تہذیب اور تعلیم کو زمانہ حال کی روح سے قریب تر کرنا، جو اقبال کے نزدیک پاکستان کے
قیام کا مقصدِ اولین تھا، کیا معنی رکھتے ہیں؟ ان سوالات کا جواب ہمیں ان خطبات میں ملتا ہے۔
چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

”خودی، جبر و قدر اور حیات بعد الموت“ کے زیر عنوان خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ

”اب ہمارے سامنے کوئی راستہ ہے تو یہ کہ علم حاضر کے احترام اور قدر و منزلت کے
ساتھ (WITH A RESPECTFUL BUT INDEPENDENT ATTITUDE)

ہم اپنی آزادی رائے برقرار رکھتے ہوئے یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ اسلامی تعلیمات
کی تعبیر اب علم حاضر کے پیش نظر کس رنگ میں کرنی چاہئے، خواہ ایسا کرنے میں
ہمیں اپنے اسلاف سے اختلاف ہی کیوں نہ ہو“ (تشکیل جدید الہیات اسلامیہ ص ۱۲)

الاجتہاد فی الاسلام کے موضوع پر ان کا خطبہ تو سارا کا سارا جواب ہے مندرجہ بالا سوالات کا۔ اس کے
چند اقتباسات درج ذیل ہیں :-

”سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی قانون میں کیا فی الواقع مزید نشرو نما اور ارتقا کی
گنجائش ہے۔ لیکن اس سوال کے جواب میں ہمیں بڑی زبردست کاوش اور
محنت سے کام لینا پڑیگا، گو ذاتی طور پر مجھے یقین ہے کہ اس کا جواب اثبات ہی
میں دیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ ہم اس مسئلے میں وہی روح برقرار رکھیں جس کا اظہار
کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات میں ہوا تھا، وہ امت کے اولین دل و دماغ ہیں جو
ہر معاملے میں آزادی رائے اور تنقید سے کام لیتے تھے اور جن کی اخلاقی جرأت

کایہ عالم تھا کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت نزع میں یہاں تک کہہ دیا کہ حسبنا کتاب اللہ، ہمارے لئے اللہ کی کتاب ہی کافی ہے۔“
(ایضاً ص ۲۵۱)

”ساری جامعیت اور ہمہ گیری کے باوجود ہمارے نظامات فقہ بالآخر افراد ہی کی ذاتی تعبیرات کا نتیجہ ہیں اور اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان پر قانون کے نشوونما کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ علمائے اسلام نے تو مذاہب فقہ کے بارے میں کچھ ایسی ہی رائے قائم کر رکھی ہے، مگر پھر اس کے باوجود انہوں نے اجتہاد کی ضرورت سے بھی اصولاً کبھی انکار نہیں کیا۔ سطور بالا میں ہم ان اسباب کی طرف اشارہ کر آئے ہیں جو میرے نزدیک علمائے اسلام کی اس روش کے محرک ہوئے۔ لیکن اب کہ زمانہ بدل چکا ہے اور دنیائے اسلام ان نئی نئی قوتوں سے متاثر اور دوچار ہو رہی ہے جو فکر انسانی کے ہر سمت میں غیر معمولی نشروونما کے باعث پھیل رہی ہیں، کیسے کہا جاسکتا ہے کہ مذاہب فقہ کی خاتمیت پر برابر اصرار کرتے رہنا چاہئے۔ ائمہ مذاہب کا کیا یہی دعویٰ تھا کہ ان کے استدلال اور تعبیرات خرب آخر ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اندریں صورت مسلمانوں کا آزاد خیال طبقہ اگر اس امر کا دعویٰ کرے کہ اسے اپنے تجربات علیٰ ہذا زندگی کے بدلتے ہوئے احوال و ظروف کے پیش نظر فقہ و قانون کے بنیادی اصولوں کی از سر نو تعبیر کا حق پہنچتا ہے تو میرے نزدیک اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو غلط ہو۔ قرآن پاک کا یہ ارشاد کہ زندگی ایک مسلسل تخلیقی عمل ہے بجا آئے خود اس امر کا مقتضی ہے کہ مسلمانوں کی ہر نسل اسلاف کی رہنمائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مسائل آپ حل کرے، یہ نہیں کہ اسے اپنے لئے ایک روک تصور کرے۔“
(ایضاً ص ۲۵۹-۲۶۰)

”اسلام کے اس بنیادی تصور کے پیش نظر کہ وحی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہے، لہذا اب کوئی ایسی وحی نہیں کہ ہم اس کے مکلف ٹھہریں۔ ہماری جگہ دنیا کی ان قوموں میں ہونی چاہئے جو روحانی اعتبار سے سب سے زیادہ استخلاص

حاصل کر چکی ہے۔ (SPIRITUALLY ONE OF THE MOST EMANICIPATED PEOPLES ON EARTH) شروع شروع کے مسلمان تو جنہوں نے ایشیائے ما قبل اسلام کی روحانی غلامی سے نجات حاصل کی تھی اسلام کے اس بنیادی تصور کی ٹھیک ٹھیک حقیقت سمجھنے سے قاصر رہے۔ لیکن ہمیں چاہئے آج اپنے اس موقف کو سمجھیں اور اپنی حیات اجتماعی کی از سر نو تشکیل اسلام کے بنیادی اصولوں کی رہنمائی میں کریں، تا آنکہ اس کی وہ غرض و غایت جو ابھی تک صرف جزو ہمارے سامنے آئی ہے، یعنی اس روحانی جمہوریت کا نشوونما جو اس کا مقصود و مقصد ہے تکمیل کو پہنچ سکے۔ (ایضاً ص ۲۴۶-۲۴۷)

اسلام میں اجتہاد کا موضوع بہت اہم بلکہ اہمیت اسلام کے لئے موت و حیات کا مسئلہ ہے۔ مگر اس قدر وسیع ہے کہ حضرت علامہ کی بے مثال ایجاز بیانی بھی اسے ایک یا چند خطبات کے دامن میں نہیں سمیٹ سکتی تھی۔ وہ اس موضوع پر برسوں کام کرتے رہے۔ ان کی ان مساعی کا اندازہ مندرجہ ذیل مکتوبات سے لگایا جاسکتا ہے۔

صوفی تبسم صاحب کو لکھتے ہیں:-

”کچھ مدت ہوئی میں نے اجتہاد پر ایک مضمون لکھا تھا۔ مگر دوران تحریر میں اس کا احساس ہوا کہ یہ مضمون اس قدر آسان نہیں جیسے میں نے اسے ابتدا میں تصور کیا تھا اس پر تفصیل سے بحث کرنے کی ضرورت ہے۔ اب میں انشاء اللہ اسے ایک کتاب کی صورت میں منتقل کرنے کی کوشش کروں گا۔ جس کا عنوان یہ ہوگا۔

ISLAM AS I UNDERSTAND IT مقصود یہ ہے کہ کتاب کا مضمون

میری ذاتی رائے تصور کیا جائے، جو ممکن ہے غلط ہو“ (اقبال نامہ حصہ اول ص ۱۸۷)

اپنی اسی تحریر کے بارے میں وہ مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ کو لکھتے ہیں:-

عبادات کے متعلق کوئی ترمیم و تہیح میرے پیش نظر نہیں ہے۔ بلکہ میں نے اپنے مضمون اجتہاد میں ان کی (ازلیت و ابدیت پر دلائل قائم کرنے کی کوشش کی ہے ہاں معاملات کے متعلق بعض سوالات دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں چونکہ

شرعیات، احادیث (یعنی وہ احادیث جن کا تعلق معاملات سے ہے) کا مشکل سوال پیدا ہو جاتا ہے۔ ابھی تک میرا دل اپنی تحقیقات سے مطمئن نہیں ہوا۔ اس واسطے وہ مضمون شائع نہیں کیا گیا۔ (ایضاً ص ۱۴)

حضرت مولانا مرحوم کے نام ایک اور خط میں اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں :-

"میرا مقصد یہ ہے کہ زمانہ حال کے JURISPRUDENCE کی روشنی میں

اسلامی معاملات کا مطالعہ کیا جائے۔ مگر غلامانہ انداز میں نہیں بلکہ ناقدانہ انداز میں۔"

(ایضاً ص ۱۴)

اقبال کو آخر دم تک اس کتاب کی تصنیف کا خیال تھا۔ چنانچہ خواجہ غلام السیدین کے نام خط مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۹۳۳ء میں صنعت بصارت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"اسلامی اصول فقہ کے متعلق ایک کتاب لکھنے کا ارادہ تھا۔ لیکن اب یہ امید

موجود معلوم ہوتی ہے۔" (ایضاً ص ۳۴)

اقبال کو احساس تھا کہ اسلامی قانون کی تشکیل نو کا کام انفرادی کوششوں سے سرانجام نہیں پاسکتا چنانچہ وہ اس مقصد کے لئے ایک اسلامی ادارے کے قیام کے لئے کوشاں تھے۔ اور اس کے لئے انہوں نے ریاست بھارت پور کے امیر کی سرپرستی حاصل کرنے کی سعی کی تھی۔ ان کے ایک دیرینہ رفیق مرزا جلال الدین بیرسٹریٹ لائے اس سلسلے میں ننگ و دوکر کے بھاؤل نگر کے گرد و نواح کو اس کام کے لئے اپنے ذہن میں منتخب بھی کر لیا تھا۔ اور ان کی یہ کوششیں کامیابی سے ہمکنار ہو چاہتی تھیں کہ خود اقبال رحمتِ ایزدی کی اغوش میں چلے گئے۔ (ملفوظات اقبال - طبع دوم ص ۱۱۸)

مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی کے مقاصد کے پیش نظر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس کا قیام اقبال کے اس ادھوے کام کی تکمیل کے لئے عمل میں آیا ہے۔ ہمیں اس بارے میں اپنی بے بضاحتی کا شدید احساس ہے۔ ہم میں نہ اقبال کی سی بصیرت، نہ علم، لیکن ہمیں اسی اقبال کا فلسفہ خودی یاد ہے۔ اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ مالا دیر رٹ کلاہ لائینرٹ کلاہ (جس کا کالی ادراک نہیں ہو سکتا اسے کالی طور پر ترک بھی نہیں کر دیا جاتا) ہم اپنے عزم اور توفیق الہی پر بھروسہ کرتے ہوئے کوشاں ہیں کہ شاید ہمارے ہاتھوں اس مقصد کے حصول میں مدد ملے جس کی تکمیل

کے لئے اقبال نے پاکستان کی اسلامی ریاست کا تصور پیش کیا تھا۔

اس سلسلے میں اپنی مساعی میں ملت کو تشریکہ کرنے کے لئے ادارہ نے موقتی اشاعت کے کام پر سب سے زیادہ زور دینے کی کوشش کی ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی آپ کا یہ ماہنامہ فکر و نظر ہے۔ اس کے علاوہ ادارہ ایک مقررہ ماہی مجلہ انگریزی زبان میں "ISLAMIC STUDIES" کے نام سے شائع کر رہا ہے۔ اب اس "ماہِ اقبال" میں ادارہ نے دو اور ماہنامے جاری کئے ہیں:- انگریزی ماہنامہ "UMMAH" اور بنگلہ ماہنامہ "سندھان" (تحقیق)۔

ہمیں یقین ہے کہ جس فراخ دلی سے ملت نے اسلامک اسٹڈیز اور فکر و نظر کا خیر مقدم کیا ہے، اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر اُمّت اور سندھان کی بھی پذیرائی ہوگی۔
واللہ المستعان وبیلہ التوفیق۔ اللہم وفقنا لما تحب وترضی۔